عورتوں کی گواہی کا مسئلہ قرآن مجید کی روشنی میں

نسیم ظہیر اصلاحی

عورتوں کی گواہی کا مسئلہ فقہائے اسلام کے مابین ابتداہی سے بڑا مختلف فیہ رہا ہے۔ صحابۂ کرام وتابعین عظام کے یہاں بھی عورتوں کی شہادت سے متعلق مختلف ومتضاد اقوال وآراء پائے جاتے ہیں۔ کہا تو یہاں تک جاتا ہے کہ عورتوں کی شہادت اصلاً نا قابل قبول ہے۔ اس لئے کہ جذبات وعواطف ان کے ذہن ودماغ پر غالب رہتے ہیں۔ انکا فہم اختلال کا شکار اور ان کی ولایت کمزور ہوتی ہے۔

الاصل عدم قبول شهادة النساء لغلبة العاطفة عليهن و اختلال ضبط الامور و قصور الولاية على الاشياء ۔[1]

اصل یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی نا قابل قبول ہے اس لئے کہ جذبات وعواطف ان پر غالب رہتے ہیں۔ ان کے فہم وضبط میں اختلال پایا جاتا ہے اور اشیاء پر ان کی ولایت ناقص ہوتی ہے۔

تاہم مالی اور نیم مالی معاملات میں آیت مداینہ پر قیاس کرکے عورتوں کی شہادت کو قابل قبول تسلیم کرلیا گیا ہے لیکن وہ مالی معاملات جن میں ان کی گواہی معتبر تسلیم کی گئی ہے ان میں بھی اختلاف ہے۔ اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہے کہ مرد کی شرکت کے بغیر عورت کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کن مسائل میں معتبر ہوگی اور کن میں نہیں اور گواہ عورتوں کی تعداد کیا ہوگی؟ ایک یا دو یا تین یا چار؟

اس طرح شہادت سے متعلق جتنے بھی امور ومسائل سامنے آتے ہیں ان سب میں ہمارے فقہائے کرام کے یہاں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بلکہ بعض

معاملات میں ایک ہی عالم اور فقیہ سے مختلف اور متضاد اقوال بھی نقل کئے گئے ہیں۔

صرف دو امور ایسے ہیں جن میں سب کا اتفاق ہے۔ ایک قرض کا معاملہ جس کے متعلق قرآن مجید میں صراحۃً ذکر ہے کہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلاَ يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّهَ رَبَّهُ وَلاَ يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئاً فَإن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهاً أَوْ ضَعِيفاً أَوْ لاَ يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاء أَن تَضِلَّ إْحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى وَلاَ يَأْبَ الشُّهَدَاء إِذَا مَا دُعُواْ (البقرۃ/۲۸۲)

اے ایمان والو! جب تم آپس میں کسی متعین وقت تک کے لئے ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اور اس کو لکھے تمھارے مابین کوئی انصاف سے لکھنے والا۔ اور جسے لکھنا آتا ہو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے بلکہ جس طرح اسے اللہ نے سکھایا ہے اسی طرح وہ دوسروں کے لیے لکھنے کے کام آئے اور یہ دستاویز لکھوائے وہ جس پر حق عاید ہوتا ہے اور وہ اللہ سے جو اس کا رب ہے، ڈرے اور اس میں کوئی کمی نہ کرے اور اگر وہ جس پر حق عاید ہوتا ہے نادان یا ضعیف ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھوا دے۔ اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو۔ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو۔ ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو بطور گواہ تا کہ ان میں سے کوئی بھٹک جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔ اور گواہ جب بلائیں جائیں تو انکار نہ کریں۔

اسی کو آیت مداینہ کہا جاتا ہے۔ اس میں جو صورت مسئلہ بیان ہوئی ہے اس اس میں عورتوں کو گواہ بنانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ دوسرا معاملہ جس میں عورتوں کی

شہادت کو بالاتفاق قابل قبول مانا گیا ہے وہ عورتوں کے مخصوص امور و مسائل ہیں، جن کا عام طور پر عورتوں ہی کو علم ہوا کرتا ہے۔ مرد یا تو ان سے بے خبر ہوتے ہیں یا ان سے اطلاع و واقفیت مرد کے لئے عموماً مشکل اور بعض حالات میں محال ہوا کرتی ہے۔

ان دو مسائل کے علاوہ ہر مسئلے اور معاملے میں عورتوں کی گواہی سے متعلق شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔۲ اس لئے یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے کہ اسلام میں عورتوں کی شہادت کی کیا حیثیت ہے اور یہ پیچیدگی اس لئے پیدا ہوئی کہ نہ خود قرآن اس سلسلہ میں کوئی واضح اور دوٹوک ہدایت دے رہا ہے اور نہ ہی سنت نبوی سے اس بابت کوئی صاف اور فیصلہ کن رہنمائی مل رہی ہے۔

عورتوں کی شہادت کے حوالہ سے فقہ حنفی میں سب سے زیادہ توسع ہے۔ ان کے یہاں سوائے حدود و قصاص کے تمام امور و معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز اور قابل قبول ہے جیسے نکاح، طلاق، عدت، رجعت، حوالہ، وقف، صلح، وکالہ، وصیہ، ہبہ، اقرار، ابراء، ولادت اور نسب وغیرہ جیسے مالی اور غیری مالی معاملات ۳۔ احناف نے حدود و قصاص کو اس عموم سے محض ابن شہاب زہری کے ایک اثر کی بنا پر خارج کر دیا ہے۔۴۔ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ جزوی اختلاف کے ساتھ تقریباً اس پر متفق ہیں کہ مالی یا نیم مالی معاملات میں سے بیع، اجارہ، ہبہ، وصیہ، رہن، کفالہ جیسے معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت معتبر ہے۔ لیکن غیر مالی معاملات یعنی نکاح، طلاق، رجعت، ایلا، ظہار، نسب اور حدود و قصاص جیسے معاملات میں عورتوں کی شہادت سرے سے غیر معتبر ہے نہ تنہا نہ مردوں کے ساتھ۔

مالی اور نیم مالی معاملات میں ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت کو آیت مداینہ پر قیاس کر کے ان علماء نے جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ غیر مالی معاملات میں عورتوں کی شہادت کو سرے سے خارج کر دینے کی وجہ بعض آیات، احادیث اور قیاس سے استدلال ہے۔ مثلاً رجعت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واشھدوا ذوی عدل منکم

نکاح سے متعلق ارشاد نبوی ہے **لا نکاح الا بولی وشاهدی عدل**۔ حدود کے متعلق حضرت ابن شہاب زہری کی مرسل روایت ہے **جرت السنة على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و الخليفتين من بعده ان لا تقبل شهادة النساء في الحدود والدماء** ۵۔

شوافع کہتے ہیں کہ رجعت، نکاح اور حدود کے بارے میں قرآن وسنت کی صراحت ہے کہ ان میں عورتوں کی گواہی نہیں چل سکتی چنانچہ انہی پر ہم نے دوسرے غیر مالی معاملات کو اور ایسے معاملات کو جن سے واقفیت مرد کے لئے ممکن ہے قیاس کرلیا ہے کہ ان میں عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہونی چاہئے۔

قالت الشافعية: فدل النص على الرجعة و النكاح و الحدود و قسنا عليها كل مالا يقصد به المال و ما يطلع عليه الرجال ۶

شوافع کہتے ہیں کہ رجعت نکاح اور حدود میں عورتوں کی شہادت کے غیر معتبر ہونے پر نص دلالت کرتی ہے پس ہم نے انہی چیزوں پر قیاس کرلیا ہے غیر مالی معاملات کو اوران معاملات کو جن سے مردوں کے لئے واقفیت ممکن ہے۔

بعد کے بعض علماء کہتے ہیں کہ مذکورہ معاملات میں عورتوں کی شہادت کے غیر معتبر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مذکورہ نصوص اور قرآن وسنت کے وہ دوسرے نصوص جن میں شہادتوں کا ذکر ہے ان میں شاہد کے لئے مذکر الفاظ، مذکر صیغے اور مذکر ضمیریں استعمال ہوئی ہیں۔ خود آیت مداینہ میں جہاں عورتوں کو گواہ بنانے کا صراحۃً ذکر ہے وہاں بھی اصلاً مردوں کو ہی گواہ بنانے کا حکم ہے "**وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ**" (بقرہ:۲۸۲)۔ ان سب سے ظاہر ہوتا ہے کہ گواہ صرف مرد ہی بن سکتے ہیں عورتیں نہیں ہے۔ البتہ بعض، استثنائی صورتوں میں آیت مداینہ کے پیش نظر ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت جائز تسلیم کی جا سکتی ہے۔

عورتوں سے مخصوص مسائل میں اگر چہ لوگوں نے تنہا عورتوں کی شہادت کو معتبر مانا ہے مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا نصاب شہادت یعنی گواہ عورتوں کی تعداد کے بارے

میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں ایک عورت کی شہادت کافی ہے مالکیہ کے یہاں دو عورتوں اور بعض دوسرے علماء کے یہاں تین عورتوں اور جبکہ شوافع کے یہاں چار عورتوں کی شہادت ضروری ہے ۸۔

اس سلسلہ میں احناف بعض روایات و آثار کو بنیاد بناتے ہیں۔ مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب اپنی انفرادی یعنی مردوں کے بغیر شہادت میں عورتیں مردوں کے قائم مقام ہیں تو تعداد میں بھی مردوں کے قائم مقام ہوں گی اور چونکہ مردوں کی شہادت کے لئے کم از کم دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے عورتوں کی شہادت کے لئے بھی دو عورتوں کو ہونا چاہئے۔ **لما قمن فی انفراد هن مقام الرجال و جب ان یقمن فی العدد مقام الرجال و اکثر عدد الرجال اثنان فاقتضی ان یکون اکثر عدد النساء اثنتین** ۹۔

امام شافعیؒ جو چار عورتوں کی شہادت کے قائل ہیں، فرماتے ہیں:

لما ذکر الله عزو جل شهادة النساء فجعل امرأتین یقومان مقام رجل فی الموضع الذی اجاز هما الله تعالی فیه، و کان اقل ما انتهی الیه من عدد الرجال رجلین فی الشهادات التی تثبت بها الحقوق.......... اوشاهد او امرأتین، لم یجزو الله اعلم، اذا اجاز المسلمون شهادة النساء فی موضع ان یجوز منهن الاربع عدول لان ذلک معنی حکم الله ۱۰۔

جب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی شہادت کا ذکر کیا تو جہاں ان کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے وہاں دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام قرار دیا اور چونکہ حقوق کی شہادت میں کم سے کم دو مرد ہونے چاہئیں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ اس لئے جائز نہیں ہوگا (واللہ اعلم) کہ جب مسلمان علماء کسی موقع پر عورتوں کی شہادت جائز قرار دیں تو چار عادل عورتوں سے کم کی شہادت معتبر مانی جائے۔ اس لئے کہ یہی اللہ تعالیٰ کے حکم کا مفہوم ومنشا ہے۔

خواتین کی شہادت سے متعلق علماء کے مذکورہ اقوال و آراء اور فکر و خیال پر سر

سری نظر ڈالنے سے بطور خاص چار باتیں بہت واضح ہو کر سامنے آتی ہیں:

۱- خواتین بالعموم جذبات سے مغلوب رہتی ہیں۔ ان کا فہم خام اور حفظ وضبط کمزور ہوتا ہے اس لئے وہ اصلاً شہادت کی اہل نہیں ہیں۔ مالکی عالم سحنون کا قول ہے: **شهادة النساء انما جازت على وجه الضرورة** [۱۱]۔

۲- قرآن وسنت میں جہاں کہیں بھی شہادت کا ذکر ہے وہاں گواہ کے لئے الفاظ، صیغے اور ضمیریں سب مذکر استعمال ہوئے ہیں اس لئے گواہ اصلاً مرد ہی بن سکتے ہیں عورتیں نہیں۔

۳- آیت مداینہ میں دو خواتین کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر کہا گیا ہے۔ اس لئے ایک عورت کی شہادت ایک مرد کی شہادت سے کم بلکہ نصف مانی جائے گی۔ اسی لئے امام شافعیؒ عورتوں سے مخصوص مسائل میں چار عورتوں کی شہادت ضروری قرار دیتے ہیں۔ **لان الله عزو جل جعل عديل الشاهد الواحد امرأتين و اشترط الاثنينية** [۱۲]۔

۴- استدلال کے مذکورہ تمام پہلو اجتہاد، استخراج اور استنباط کی نوعیت کے ہیں۔ صراحت اور نص قطعی کی حیثیت ان کو حاصل نہیں ہے۔ شہادۃ النساء کا یہی وہ پہلو ہے جو اس موضوع پر ہمارے لئے گفتگو کا جواز فراہم کرتا ہے کچھ اور بھی امور و نکات مذکورہ تفصیل سے سامنے آتے ہیں۔ مگر چونکہ ہمارے پیش نظر محض شہادۃ النساء کی حیثیت کی تعیین ہے اور ہمارے خیال میں اول الذکر صرف تینوں امور پر گفتگو حصول مدعا کے لئے کافی ہوگی۔ اس لئے ہماری بحث ان ہی تین نکات تک محدود ہوگی۔

عورتوں کی اہلیتِ شہادت:

یہ بات کہ عورتیں شہادت کی اہل نہیں ہیں قرآنی بیان کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں شہادت اور شہداء بمعنی گواہ سے متعلق آیات پر نظر ڈالنے سے معلوم

ہوتا ہے کہ گواہی کی اہلیت اور اس کے تحمل کی صلاحیت عورتوں اور مردوں دونوں کو یکساں حاصل ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر شہداء اور شہادت کے الفاظ گواہ اور گواہی کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں اور تمام علماء وفقہا اور اہل تفسیر ان کے عموم میں عورتوں اور مردوں کو شامل مانتے ہیں۔ سب سے پہلے آیت مداینہ کو دیکھئے۔ جس کو عورتوں کی ناقص اہلیت شہادت یا اس کی نفی کی سب سے بڑی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا آخری حصہ یہ ہے:

وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاء أَن تَضِلَّ إْحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى وَلاَ يَأْبَ الشُّهَدَاء إِذَا مَا دُعُواْ (بقرہ/۲۸۲)	اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو۔ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو۔ ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو بطور گواہ تاکہ ان میں سے کوئی بھٹک جائے تو دوسری اس کو یاد دلادے۔ اور گواہ جب بلائیں جائیں تو انکار نہ کریں۔

اس آیت میں مذکور لفظ ''شہیدین'' مرد وعورت دونوں کو شامل ہے۔ اگر اس کا اطلاق صرف مردوں پر ہوتا تو آگے من رجالکم کی شاید کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ علامہ ابوبکر الجصاص کہتے ہیں:

ان اسم الشهيدين واقع فى الشرع على الرجل والمرأتين [۱۳]۔ یعنی شریعت میں شہیدین کا اطلاق ایک مرد اور دو عورتوں پر ہوتا ہے۔ اگر عورتوں کے اندر شہادت وگواہی کی صلاحیت نہ ہوتی تو ان کے لئے لفظ ''شہید'' (بمعنی گواہ) کا استعمال صحیح نہیں ہوتا۔ اس لئے قرآن مجید میں اس مشترک لفظ کا استعمال نہ صرف عورتوں کی اہلیت شہادت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ بلکہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مرد عورت دونوں کی اہلیت شہادت میں کوئی فرق وتفاوت بھی نہیں ہے۔

اس آیت میں دو مرد دستیاب نہ ہونے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کو

گواہ بنانے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بھی قطعیت کے ساتھ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ عورتوں میں بھی شہادت کی پوری اہلیت اور اس کے تحمل کی صلاحیت موجود ہے۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کو گواہ بنانے کا حکم ہی نہ دیا جاتا۔ آیت کے اگلے ٹکڑے **ممن ترضون من الشهداء** میں لفظ شہداء کا تعلق جس طرح مرد گواہوں سے ہے اسی طرح خواتین گواہوں سے بھی ہے۔ اس میں مرد و خواتین دونوں یکساں طور پر شامل ہیں۔ اس لئے کہ جن دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا پہلے حکم دیا گیا ہے انہی گواہوں کو شہداء کہا گیا ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو شہادت و گواہی کی یکساں اہلیت حاصل ہے۔ اگر دونوں کی اہلیت و صلاحیت میں فرق و تفاوت اور کمی بیشی ہوتی تو دونوں کی ایک ہی لفظ سے تعبیر قرآنی بلاغت کے منافی ہوتی۔ اسی سلسلۂ کلام میں آگے فرمایا گیا "**ولا یأب الشهداء اذا مادعوا**" اس میں بھی لفظ شہداء کا تعلق مرد و خواتین دونوں سے ہے اوپر جن مردوں اور عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے انہی گواہوں کو ہدایت دی جارہی ہے کہ جب گواہی کے لئے ان کو طلب کیا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ ظاہر سی بات ہے کہ کسی کام سے انکار نہ کرنے کی ہدایت اسی کو دی جائے گی جس کے اندر اسکو انجام دینے کی قوت و صلاحیت ہوگی۔

آیت مداینہ کی بعد والی آیت کے آخر میں ہے **ولا تکتموا الشهادة و من یکتمها فانه آثم قلبه** (البقرہ/۲۸۳) یہاں ضمیر مخاطب اگرچہ مذکر ہے۔ لیکن چونکہ سلسلۂ کلام وہی ہے۔ آیت مداینہ کے سیاق ہی میں کتمان شہادت سے منع کیا گیا ہے۔ اس لئے تمام علماء نے اس حکم کو مردوں اور عورتوں دونوں سے متعلق مانا ہے۔ اور اس لئے شہادت چاہے مرد کی ہو یا عورت کی اس کا کتمان بہر حال گناہ تسلیم کیا گیا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عورت کے اندر شہادت کی اہلیت ہی نہیں ہے تو اس کو کتمان شہادت سے روکنے کا کیا مطلب ہوگا؟ رہی یہ بات کہ اگر مرد و عورت دونوں شہادت کے اہل ہیں اور دونوں کی اہلیت شہادت یکساں اور برابر ہے تو پھر ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو گواہ بنانا اور ان کے بارے میں یہ کہنا کہ کوئی ایک ضلال میں پڑ جائے تو دوسری

یاد دلا دے ان تضل احدھما فتذکر احداھما الاخری کا کیا مطلب ہوا ؟ ان دونوں باتوں سے تو عورتوں کی اہلیت شہادت پر حرف آ رہا ہے؟ تو ان دونوں امور پر گفتگو آگے آ رہی ہے۔

سورہ طلاق میں ہے: **واشھدوا ذوی عدل منکم و اقیموا الشھادۃ للہ ذلکم یوعظ بہ من کان یومن باللہ والیوم الآخر** (الطلاق/۲)۔

اس میں بھی لفظ شہادت کا تعلق مرد و عورت دونوں سے ہے اس لئے کہ اقامت شہادت کی نصیحت ان لوگوں کو کی جا رہی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جس کے عموم میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی اقامت شہادت اور ادائے شہادت کی مکلّف ہیں اور ظاہر سی بات ہے کہ اقامت شہادت یا ادائے شہادت کا مکلّف اسی کو بنایا جائے گا جو اس کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہو۔ اس طرح اس آیت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں ہر معاملہ میں شہادت کی اہل ہیں اور مردوں کی طرح ان کی بھی شہادت بلا تأمل قابل قبول ہوگی۔

سورہ نساء میں ہے: **یا ایھا الذین آمنو کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ** (النساء/۱۳۵)۔

سورہ مائدہ میں ہے: **یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط** (المائدہ/۸)

ان آیات میں اگرچہ خطاب بظاہر مردوں سے ہے مگر ان میں مذکور لفظ شھداء کا تعلق مرد و خواتین دونوں سے ہے کیونکہ قیام بالقسط کی ذمہ داری جس طرح مردوں پر عائد ہوتی ہے، اسی طرح عورتوں پر بھی یہ فریضہ عائد ہوتا ہے اور دونوں اپنے اپنے دائرہ کار کے اندر اس کے یکساں مکلّف اور پابند ہیں۔ اور معلوم ہے کہ کسی کام کا مکلّف اسی کو بنایا جاتا ہے جس کے اندر اس کے تحمل اور انجام دینے کی اہلیت و صلاحیت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی طرح عورتیں بھی ہر معاملے میں شہادت کی اہلیت رکھتی ہیں اور ان کی شہادت ہر جگہ اور ہر معاملہ میں قابل قبول ہوگی اس

لئے کہ شہداء بالقسط بالکل عام ہے۔

اس سلسلہ میں سورہ نور کی آیات لعان کا حوالہ بھی غیر مناسب نہیں ہوگا جہاں لعان کے طور پر شوہر کے کہے گئے چار اقوال کو شہادت سے تعبیر کیا گیا ہے تو بیوی کے بطور لعان کے کہے گئے اقوال کو بھی شہادت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عورت کو بھی شہادت کا اہل اور اس کی گواہی کو معتبر قرار دیتا ہے۔

ممکن ہے مذکورہ بالا آیات میں سے بعض کے بارے میں کہا جائے کہ انکا تعلق شہادت و گواہی سے نہیں ہے۔ لیکن خود امام شافعی جو عورتوں کو شہادت کا اہل نہ ماننے والوں کے سرخیل ہیں، مذکورہ تمام آیات کو شہادت و گواہی سے متعلق تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب "الام" میں آیات لعان کے علاوہ مذکورہ تمام آیات کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

والذی احفظ عن کل من سمعت من اهل العلم فی هذه الایات انه فی الشاهد۔[۱۴]	وہ بات جو عام علماء سے، ان آیات کے بارے میں سن کر میں نے محفوظ کر رکھی ہے وہ یہ ہے کہ ان کا تعلق شاہد اور گواہ سے ہے۔

مذکر الفاظ اور صیغوں کا استعمال:

عورتوں کی گواہی کو نا قابل قبول قرار دینے کی دوسری بڑی وجہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ بیان کی جاتی ہے کہ قرآن وسنت میں جہاں کہیں بھی شہادت کا ذکر ہے وہاں گواہی اور گواہوں کے لئے مذکر الفاظ، مذکر صیغے اور مذکر ضمیریں استعمال ہوئی ہیں مثلاً:

۱- اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ (المائدہ/۱۰۶)

۲- وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ (الطلاق/۲)

۳- وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ (النساء/۱۵)

۴- وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء (النور/۴)

۵- لَوْلَا جَاؤُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء (النور/۱۳)

کہا جاتا ہے کہ ان آیات میں وارد الفاظ، ذو اعدل، ذوی عدل، اقیموا، اربعة منکم، باربعة شهداء، شهدوا، شهداء اور آیت مداینہ کے الفاظ من رجالکم اور رجلین سب مذکر ہیں اور گواہوں کے مذکر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی بنا پر فقہاء کرام کی غالب ترین اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے۔ یہاں ایک خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ بعض فقہائے متاخرین اس استدلال کو بڑی شدت وقوت کے ساتھ پیش کرتے ہیں مگر متقدمین فقہاء کے یہاں اس استدلال کا ذکر تک نہیں ملتا۔ امام شافعیؒ کی کتاب "الام" میں اس کا کوئی ذکر مذکور نہیں ہے۔ جبکہ متاخرین نے تو اسے نص قطعی تک قرار دے دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نص قطعی نہیں بلکہ فقہاء متقدمین کے ایک اجتہاد و استنباط کے حق میں صرف ایک تائیدی نکتہ اور پہلو ہے۔ اس استدلال کی کمزروی جاننے سے پہلے ضروری ہے کہ احکام و مسائل کے بیان واظہار کے تعلق سے قرآن مجید کے ایک مشہور عام اسلوب پر نظر ڈال لی جائے۔

قرآن مجید کا ایک اسلوب:

قرآن مجید کا یہ عام اسلوب ہے کہ وہ اپنے احکام وقوانین تذکیر کے صیغے سے بیان کرتا ہے۔ اور مرد وخواتین سب ان کے مخاطب اور مکلّف ہوتے ہیں الا یہ کہ کوئی دوسری صریح نص یا کوئی نہایت مضبوط قرینہ پایا جائے کہ عورتیں ان سے مستثنٰی ہیں، تبھی عورتوں پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ورنہ مرد خواتین دونوں ان میں شامل ہوتے ہیں۔ احادیث نبوی کا بھی یہی اسلوب ہے کلام عرب میں بھی یہ اسلوب عام ہے۔ قرآن مجید سے اس کی چند چھوٹی چھوٹی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلوٰةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ. (البقرہ/۱۵۳)

اس آیت کریمہ میں آمنوا، استعینوا، صابرین سب مذکر کے صیغے اور الفاظ

ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صبر وصلوٰۃ کے ذریعہ استعانت کے حصول کا حکم مردوں کے ساتھ خاص ہے اور صابر عورتوں کو اللہ کی معیت حاصل نہیں ہوگی۔

۲- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلاةِ فاغْسِلُواْ وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُواْ بِرُؤُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَينِ وَإِن كُنتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُواْ وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مَّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاء فَلَمْ تَجِدُواْ مَاءً فَتَيَمَّمُواْ صَعِيداً طَيِّباً فَامْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ مَا يُرِيدُ اللّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَـكِن يُرِيدُ لِيُطَهَّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ. (مائدہ/۶)

اس آیت میں وضواور تیمّم کے احکام بیان ہوئے ہیں وہ مرد وخواتین سب کے لئے ہیں حالانکہ الفاظ صیغے، ضمیریں سب مذکر استعمال ہوئی ہیں۔

۳- حَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوِهَكُمْ شطره (البقرہ/۱۴۴)

اس میں کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے جو مرد وخواتین سب کے لئے ہے حالانکہ اس میں استعمال صیغے اور ضمیریں سب مذکر ہیں۔

۴- يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيمٌ. (البقرہ/۲۱۵)

اس میں والدین، رشتہ دار، یتامی، مساکین اور مسافر پر خرچ کرنے کا حکم ہے اور الفاظ سب مذکر ہیں لیکن یہ افراد مرد ہوں یا عورت سب تعاون اور مدد کے مستحق ہیں محض الفاظ کے مذکر ہونے کے سبب ماں، رشتہ دار عورت یا یتیم، مسکین اور مسافر عورتیں اس حکم سے خارج نہیں ہوسکتیں۔

۵- إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاء وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً

مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ. (البقرہ/٦٠)

زکوٰۃ حق ہے فقراء اور مساکین کا اور زکوٰۃ پر کام کرنے والوں کا اور جن کے دل کی تالیف مقصود ہے اور گردن چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے راستہ میں اور مسافر کا یہ اللہ کا مقررہ کردہ فریضہ ہے۔ اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

مذکورہ آیت میں مستحقین زکوٰۃ کا ذکر ہے کہ یہ اور یہ لوگ ہیں جن کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ مگر ان مستحقین کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ سب مذکر ہیں مثلا فقراء، مساکین، عاملین، غارمین اور ابن السبیل یعنی مسافر وغیرہ۔ لیکن الفاظ کی تذکیر کا لحاظ کئے بغیر مذکورہ اوصاف کے حامل مرد و خواتین سبھی اس میں شامل اور سب زکوٰۃ کے حقدار ہیں۔ اگر فقہاء کرام کے مذکورہ بالا طریقۂ استدلال کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عورتوں کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی وہ مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں اس لئے کہ جن مستحقین زکوٰۃ کا قرآن میں بیان ہے ان کے لئے الفاظ مذکر استعمال ہوئے ہیں۔

یہ محض چند مثالیں ہیں، قرآن مجید کے اس اسلوب کی کہ اس کے احکام و فرامین اکثر و بیشتر مذکر کے صیغے میں آتے ہیں اور ان کا اطلاق مرد و خواتین دونوں پر ہوتا ہے ورنہ سیکڑوں ایسی مثالیں قرآن میں موجود ہیں۔

البتہ بعض جگہوں پر تذکیر و تانیث کے صیغے ساتھ ساتھ آتے ہیں یا صرف تانیث کے بھی صیغے آئے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں رہی کہ مذکر کے صیغوں میں عورتیں شامل نہ تھیں بلکہ اس لئے کہ موضوع کی اہمیت اور تاکید پیش نظر تھی یا اسی حکم سے مردوں کو الگ رکھنا مقصود تھا۔

قرآن مجید کا یہ اسلوب ایسا نہیں ہے کہ مثالوں کے ذریعہ اس کو باور کرایا جائے۔ اس لئے کہ قرآن مجید سے جن کو ذرا بھی دلچسپی اور لگاؤ ہے وہ اس اسلوب سے بخوبی واقف ہیں۔ اس طویل بحث کی ضرورت صرف اس لیے پیش آئی کہ بعض فقہاء اپنے ائمہ کے ایک اجتہاد کی حمایت و تائید میں ایک ایسی بات کہہ گئے جو بدیہی طور پر غلط معلوم

ہوتی ہے اور قرآن مجید کے عام اسلوب و مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے ان آیات و الفاظ پر بھی ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا جو مذکورہ استدلال کی بنیاد ہیں اور جنھیں نص قطعی کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے آیت وصیت کو لیتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِن بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ (المائدہ/۱۰۶)

اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کو موت کا مرحلہ درپیش ہو وصیت کے وقت تو تمہارے درمیان دو ایسے معتبر گواہ ہونے چاہیے جو تم میں سے ہوں یا دو دوسرے تمہارے علاوہ میں سے اگر حالت سفر میں ہو۔ پھر لاحق ہو تم کو موت کی مصیبت تو ان دونوں کو نماز کے بعد روکو اگر تم کو شبہہ لاحق ہو وہ دونوں اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم نہیں لیتے قسم کے بدلے مال اگرچہ کوئی ہمارا قرابت دار بھی ہو اور ہم نہیں چھپاتے اللہ کی گواہی ورنہ ہم یقیناً گنہ گار ہوں گے۔

اس آیت کی ابتدا "یا ایھا الذین آمنوا" کے عمومی اسلوب سے ہوتی ہے جس میں مرد و خواتین دونوں شامل ہیں۔ اس میں گواہوں کے لئے "اثنان ذو اعدل منکم" کے الفاظ ہیں جو مذکر ہیں اور بظاہر گواہوں کے مذکر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اس لئے لفظ "عدل" ہے تو اصلا مذکر، مگر مذکر و مؤنث دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ "رجل عدل و امرأة عدل" دونوں استعمال ہے اور جب ایسا ہے تو لفظ "عدل" کے ساتھ "اثنان" اور "ذوا" کا مذکر استعمال اس کو مذکر کے لئے خاص نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ جب کسی لفظ کا استعمال مذکر و مونث دونوں کے لئے ہوتا ہے تو بالعموم استعمال میں اس کے ساتھ مذکر کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ "منکم" میں "کم" ضمیر خطاب

اگر چہ مذکر ہے مگر اس میں مذکر و مؤنث دونوں شامل ہیں۔ اس لئے کہ اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں جن کو یا ایھا الذین آمنوا کے الفاظ سے خطاب کرتے ہوئے کلام کا آغاز ہوا تھا۔ جن میں مرد و خواتین دونوں شامل ہیں، اس کی تائید اگلے الفاظ "او اخــران مــن غیر کم" سے بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح آیت کا آخری جملہ "لانکتم شھادۃ اللہ" بھی قابل غور ہے جو گواہوں کا قول ہے "وَلَانــکتــم" متکلم کا صیغہ ہے جو مذکر و مونث دونوں کے لئے ہے۔ ان گواہوں کی یہ یقین دہانی کہ وہ اللہ کی شہادت چھپا نہیں سکتے دراصل حکم الٰہی ولا تـکتمو االشھادۃ و من یکتمھا فانه آثم قلبه۔ (البقرہ/۲۸۳) کی صدائے بازگشت ہے، جس کو تمام علماء نے مرد و عورت دونوں سے متعلق مانا ہے کہ شہادت اور گواہی چاہے مرد کی ہو یا عورت کی اس کا کتمان دونوں کے لئے موجب گناہ ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ "ذوا عـدل مـنـکـم" کے الفاظ کے ساتھ ساتھ آیت وصیت کا پورا اندرونی ماحول بھی یہی اشارہ دے رہا ہے کہ جن دو لوگوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ مرد ہی ہوں بلکہ وہ عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

دوسری آیت جسے گواہوں کے مرد ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، سورہ طلاق کی یہ آیت کریمہ ہے:

وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً. (الطلاق/۲)	اور اپنے میں سے دو عادل گواہ بناؤ اور اللہ کے واسطے گواہی کا حق ادا کرو۔ اس کی نصیحت کی جاتی ہے ان کو جو اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے راستہ نکالتا ہے۔

آیت کے الفاظ ذوی عـدل مـنـکـم بعینہ وہی ہیں جو آیت وصیت میں ہیں اس لئے انکا بھی وہی مفہوم ہوگا جو آیت وصیت میں ہے یعنی لفظ "عـدل" میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں، لفظ "ذوی" صرف لفظی مناسبت کی وجہ سے مذکر ہے عدل کے مفہوم ومعنی کے اعتبار سے نہیں۔ "مـنـکـم" سے مراد اہل ایمان ہیں یعنی مسلمان مرد اور عورت

دونوں۔

اس کے فوراً بعد "واقیموا الشھادۃ للہ" کے الفاظ ہیں جو **واشھد ذوی عدل منکم** کی تخصیص کے امکان کو ختم کیے دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ اقامت شہادت مردوں اور عورتوں دونوں کی ذمہ داری ہے۔ یہاں اصلاً مذکورہ دونوں گواہوں کو اپنا فرض ادا کرنے کی تلقین مقصود ہے۔ لیکن صرف ان گواہوں کو مخاطب بنانے کے بجائے عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے قرآن مجید اپنے عمومی اسلوب میں کہتا ہے "اقیموا الشھادۃ للہ" قرآن کا یہ اسلوب و انداز بتاتا ہے کہ جن گواہوں کے پس منظر میں ادائے شہادت کی یہ تلقین کی جارہی ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ مرد ہی ہوں بلکہ عورتیں بھی ہوسکتی ہیں۔ آیت کے اگلے الفاظ "ذلکم یوعظ بہ من کان یومن باللہ والیوم الاخر ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا" کا تعلق معاملہ سے جڑے ہوئے تمام افراد سے ہے یعنی طلاق دینے والے مرد، مطلقہ عورت اور گواہ سب ان کا مصداق ہیں جن میں مرد و خواتین سبھی شامل ہیں۔ حالانکہ تمام الفاظ مذکر ہیں۔ اس طرح **ذوی عدل منکم** کے الفاظ و اسلوب اور پورا سلسلۂ کلام جو آیت نمبر ا تا ۳ پر مشتمل ہے کی اندرونی فضا یہ شہادت دے رہی ہے کہ "ذوی عدل منکم" کو صرف مردوں سے مخصوص کرنا علمی ناانصافی ہوگی۔ بار بار مذکر الفاظ اور مذکر صیغے آرہے ہیں اور ان میں شامل مذکر و مونث دونوں ہیں۔

شہادت سے متعلق تین آیات اور ہیں جن میں مستعمل الفاظ و ترکیب کو شاہد و گواہ کے لازماً مرد ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ پہلی آیت سورہ نساء کی ہے:

وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ (النساء/۱۵)	تمہاری عورتوں میں سے جو کوئی بدکاری کرے تو ان پر چار گواہ لاؤ اپنوں میں سے پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھر میں بند رکھو۔

سورہ نور میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً (النور/۴)	جو لوگ الزام لگائیں پاکدامن عورتوں کو پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی کوڑے مارو۔

سورہ نور ہی میں ہے:

لَوْلَا جَاؤُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاء فَأُوْلَئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ (النور/۱۳)	کیوں نہ لائے وہ چار گواہ۔ پس جب وہ گواہ نہ لاسکے تو وہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔

ان آیات میں مستعمل الفاظ اربعة منكم، فاشهدوا، باربعة شهداء، سے استدلال کیا جاتا ہے کہ گواہ صرف مرد ہو سکتے ہیں عورتیں نہیں خاص طور سے حدود و قصاص کے معاملہ میں عورتوں کی شہادت کو مذکورہ آیات کے انہی الفاظ کے سہارے خارج کر دیا جاتا ہے کہ عورت کی شہادت، زنا اور ان جرائم میں جو موجب حد ہیں کسی صورت میں جائز نہیں، نہ تنہا نہ مردوں کی شرکت کے ساتھ۔

بلاشبہ یہ ایسی ترکیبیں ہیں جو نحوی اصول و قواعد کے مطابق گواہوں کے مرد ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن یہاں چونکہ اربعۃ سے مراد "شہـــداء" ہیں جیسا کہ آخر الذکر دونوں آیات میں صراحۃ یہ لفظ موجود ہے اور اس میں جیسا کہ آیت مداینہ پر گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا گیا مرد و خواتین دونوں قطعاً شامل ہیں اس لئے اس کا اطلاق مرد و خواتین دونوں پر ہوگا نہ کہ صرف مردوں پر۔ اربعۃ کا مونث ہونا صرف لفظ شہداء کی بنا پر ہے کہ "لفظ مذکر ہے نہ کہ اس کے مفہوم کی بنا پر کہ اس میں مرد و عورت دونوں داخل ہیں۔ "شہـــدوا" فعل بھی صرف لفظ کا لحاظ کر کے مذکر استعمال ہوا ہے نہ کہ معنی و مفہوم کا اسی طرح "منکم" کا لفظ گواہوں کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتا ہے نہ کہ مرد ہونے پر جب کہ آیت وصیت کے ذیل میں پہلے عرض کیا گیا۔ اس لئے ان ترکیبوں کو محض نحوی قاعدے کا سہارا لے کر گواہوں کے مرد ہونے کی دلیل بنانا صحیح نہیں ہوگا۔ اور اس لیے بھی کہ اس طرح کی بعض اور ترکیبیں قرآن مجید میں ہیں جن کا اطلاق علم نحو کے مطابق صرف

مردوں پر ہونا چاہئے، مگر بالاتفاق ان ترکیبوں کے ذیل میں عورتوں کو بھی شامل تسلیم کیا گیا ہے۔ مثلاً:

مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ (المجادلہ/۷)	تین لوگوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور پانچ لوگوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں نجوی ثلاثۃ اور نجوی خمسۃ سے مراد نحوی قاعدے کے مطابق صرف مردوں کی سرگوشی ہونی چاہئے۔ جبکہ سرگوشی مردوں کی ہو یا عورتوں کی سب اس میں شامل مانی گئی ہیں۔

کفارۂ قسم کے بارے میں فرمایا گیا:

فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ (المائدہ/۸۹)	سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے۔ اوسط درجہ کا کھانا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو۔ یا کپڑا پہنانا دس محتاجوں کو۔

یہاں "عشرۃ مساکین" کی ترکیب مذکر پر دلالت کرتی ہے۔ کسوتھم میں ھم ضمیر بھی مذکر ہے اس لئے ہمارے فقہاء کے مذکورہ استدلال کے مطابق کفارہ قسم کا یہ کھانا اور کپڑا صرف مرد مساکین کے لئے جائز ہونا چاہئے۔ مسکین عورتوں کے لئے نہیں۔ حالانکہ ایسی بات کسی نے نہیں کہی ہے۔ اس لئے آیات زیر بحث کی مذکورہ ترکیبوں سے یہ نتیجہ نکالنا گواہ صرف مرد ہو سکتے ہیں عورتیں نہیں اور بطور خاص زنا یا حدود کے معاملات میں جن سے متعلق یہ آیات ہیں، عورتوں کی گواہی قابل اعتبار نہیں ہوگی، بہت کمزور استدلال کہلائے گا۔ ہاں کوئی بہت واضح قرینہ ہوتا یا کوئی صحیح مرفوع حدیث ہوتی جس میں وضاحت ہوتی کہ ان معاملات میں گواہ صرف مرد ہو سکتے ہیں عورتیں نہیں تو پھر ان آیات کی تخصیص ہو سکتی تھی۔ لیکن نہ قرآن مجید میں ایسا کوئی اشارہ ہے اور نہ ذخیرہ حدیث میں ایسی کوئی صریح حدیث موجود ہے۔ لے دے کر ابن شہاب زہریؒ کی ایک مرسل روایت ہے جس کو حدود قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی شہادت کے غیر معتبر

ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس روایت پر بھی ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

ابن شہاب زہریؒ کی روایت:

ابن شہاب زہریؒ کی وہ روایت جو حدود و قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی شہادت کے غیر معتبر ہونے کی واحد حدیثی بنیاد ہے، اس کے الفاظ مختلف کتابوں میں مختلف ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

جرت السنة من رسول الله صلی الله علیه وسلم والخلیفتین من بعد ان لا تقبل شهادة النساء فی الحدود و الدماء ۱۵۔

فقہ مالکی کی معروف کتاب المدونۃ الکبری میں ہے اور ترتیب کے معمولی فرق کے ساتھ بعینہ یہی الفاظ ابن حزم کی "المحلی" میں بھی ہیں:

مضت السنة من رسول الله صلی الله علیه وسلم و الخلیفتین من بعده انه لا تجوز شهادة النساء فی النکاح و الطلاق و الحدود۔ ۱۶

کاسانی کی بدائع الصنائع اور ابوبکر الجصاص کی احکام القرآن میں ہے:

مضت السنة فی رسول الله صلی الله علیه وسلم والخلیفتین من بعده ان لا تجوز شهادة النساء فی الحدود ولا فی القصاص ۱۷۔

ابن شہاب کی مذکورہ روایت کی بنیاد پر جس کے الفاظ میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے، حدود و قصاص کے معاملات میں بالعموم عورتوں کی گواہی نا قابل قبول قرار دی گئی ہے۔ جبکہ نکاح اور طلاق کے معاملات میں عورتوں کی گواہی کے تعلق سے ہمارے فقہاء کرام مختلف الرائے ہیں۔ حالانکہ ابن شہاب کا یہ اثر روایت و درایت دونوں اعتبار سے نا قابل استناد ہے مثلاً:

۱۔ حدیث کی معروف اور متداول کتابوں میں اس کی تخریج نہیں ہوئی ہے صرف مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کا ذکر ہے جس کا استنادی پہلو بہت بلند نہیں ہے۔ اس میں بھی محض حدود کے الفاظ ہیں جبکہ بعض کتابوں میں نکاح و طلاق

کے بھی الفاظ ہیں اور کچھ دوسری کتابوں میں نکاح وطلاق کے بجائے قصاص کا لفظ ہے۔ یہ فرق واختلاف اوپر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ موَطا امام مالکؒ کو زہری کے فقہی آرا کا مستند ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ مگر موطا کے کسی نسخہ میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔ امام مالک کے فقہی آرا اوران کے دلائل کا اہم ماخذ "المدونة الکبری" ہے۔ اس میں بلاشبہ یہ اثر موجود ہے مگر اس کی روایت امام مالک سے نہیں ہے بلکہ سحنون جو اس کتاب کے راوی ہیں انہوں نے ابن وہب کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ بلاشبہ علامہ شوکانی ۱۸ اور بعض دوسرے علماء ۱۹ نے اس اثر کو امام مالک سے منسوب کیا ہے مگر ہمارے خیال میں ان علماء کو المدونہ کی مذکورہ روایت سے دھوکہ ہوگیا ہے۔

۲- محدثین نے اس کے رواۃ پر سخت تنقید کی ہے۔ علامہ ابن حزم "المحلی" میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما الخبر الذی صدر نا به من قول الزهری مضت السنة فبلية لانه منقطع من طريق اسماعيل بن عياش وهو ضعيف عن الحجاج بن ارطاة وهو هالک ۲۰۔

مضت السنه من النبی ﷺ والی زہری کی روایت ایک آفت ہے اس لئے کہ وہ منقطع ہے اسماعیل بن عباس سے مروی ہے جو ضعیف ہیں انہوں نے حجاج بن ارطاۃ سے اس روایت کو لیا ہے اور حجاج تباہ کن ہیں۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں:

قد اخرج قول الزهری المذکور	زہری کے مذکورہ اثر کو ابن ابی شیبہ نے
ابن ابی شیبة باسناد فیه الحجاج بن	ایک ایسی سند سے نقل کیا ہے جس میں
ـاة وهو ضعيف مع کون	حجاج بن ارطاۃ ہیں جو ضعیف راوی ہیں۔
سلا لا تقوم بمثله	اس کے ساتھ ہی حدیث مرسل ہے جو
ـصيص عموم	قابل حجت واستدلال نہیں اس لیے اس کی

القرآن باعتبار ما دخل تحت نصه فضلا عما لم يد خل تحته بل الحق به بطريق القياس ۲۱۔

بنیاد پر قرآن کے کسی عمومی بیان سے اس چیز کی تخصیص نہیں ہوسکتی جو اس کی نص کے تحت داخل ہے چہ جائیکہ اس کی تخصیص جائز ہو جو اس کی نص کے تحت داخل نہ ہو بلکہ لوگوں نے محض قیاس کی بنیاد پر اس میں شامل کردیا ہے۔

۳۔ بظاہر یہ روایت مرسل ہے جیسا کہ شوکانی نے کہا ہے مگر ابن حزم نے اسے منقطع قرار دیا ہے۔ یہ ممکن بھی ہے اس لئے کہ امام زہریؒ صغار تابعین میں سے ہیں اور منقطع روایت محدثین کے یہاں حجت و استدلال کے قابل نہیں ہوتی لیکن اگر اسے مرسل ہی تسلیم کرلیا جائے تو احناف اور مالکیہ کے علاوہ عام فقہاء اور جمہور محدثین کے یہاں مرسل روایات نا قابل قبول ہوتی ہیں۔ پھر ابن شہاب کی مرسل کا معاملہ تو بڑا نازک ہے محدثین بطور خاص اسے نا قابل اعتبار قرار دیتے ہیں:

قال ابن ابی حاتم فی بداية كتابه "المراسيل" كان يحى بن سعيد القطان لا يرى ارسال زهرى و قتادة شيئا ويقول هو بمنزلة الريح ۲۲

ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب "المراسیل" کے شروع میں کہا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان، زہری اور قتادہ کی مرسل روایت کو کوئی اہم اہمیت نہیں دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ وہ منزلۂ باد رہوا ہیں۔

یحییٰ بن معین اور بعض دوسرے محدثین نے بھی ارسال زہری کو نا قابل التفات قرار دیا ہے یہاں تک کہ اسے "اثر المراسیل" تک کہا گیا ہے۔۲۳

۴۔ فقہاء و محدثین اس حدیث کو کمزور قرار دیتے ہیں جس کے راوی کا عمل یا فتویٰ اپنی ہی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو یہاں بھی صورت حال یہی ہے۔ ابن شہاب کے نزدیک قصاص کے مقدمہ میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت جائز

ہے مصنف عبدالرزاق میں ہے قال ابن شهاب تجوز شهادة النساء على القتل اذا كان معهن راجل واحد [۲۴]۔

۵- امام زہری کے اس اثر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نکاح وطلاق اور حدود وقصاص کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی کا ناقابل قبول ہونا عہد صحابہ وتابعین سے ایک عام اور متفق علیہ معمول رہا ہے اور اسے سنت کا درجہ بھی حاصل رہا ہے۔ اسی طرح متاخرین فقہاء بھی یہ تاثر دیتے ہیں کہ حدود وقصاص کے مقدمات میں فقہاء اربعہ سمیت، ان کے عہد اور ماقبل ومابعد کے جملہ فقہاء کا یہی اجماعی مسلک ہے حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ اگر ایک طرف صحابہ وتابعین کی خاصی تعداد ان معاملات میں عورتوں کی گواہی کے عدم جواز کی قائل ہے تو دوسری طرف انہی کے عہد میں حدود وقصاص اور نکاح وطلاق کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی کو تسلیم بھی کیا گیا ہے اور اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا گیا ہے۔ صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱- عن ابى لبيد قال ان سكر انا طلق امرأته ثلاثا فشهد عليه اربع نسوة فرفع إلى عمر فاجاز شهادة النسوة و فرق بينهما.

۲- عن عطاء قال: اجاز عمر بن الخطاب شهادة النساء مع الرجال فى الطلاق و النكاح.

۳- ان امرأة اوطأت صبيا فقتلته فشهد عليها اربع نسوة فاجاز على بن ابى طالب شهادتهن.

۴- قالت هند بنت طلق: كنت فى نسوة و صبى مسيحى فقامت امرأة فمرت فوطأته فقالت ام الصبى قتلته والله. فشهد عند على عشر نسوة وانا عاشرتهن فقضى على عليها بالدية.

۵- عن محمد بن الحنفية تجوز شهادة النساء فى الدية

۶- صح عن الشعبى قبول شهادة رجل و امرأتين فى الطلاق و جراح

الخطاء.

۷- قال طاؤس: تجوز شهادة النساء فی کل شی مع الرجال الا الزنا من اجل انه لاینبغی ان ینظرن إلی ذلک.

۸- عن عطاء بن ابی رباح قال: لو شهد عندی ثمان نسوة علی امرأة بالزنا لرجمتها.

۹- عن عطاء بن ابی رباح قال: تجوز شهادة النساء مع الرجال فی کل شی وتجوز علی الزنا امرأتان و ثلاثةرجال.

۱۰- قال سفیان الثوری تقبل امرأتان مع رجل فی القصاص و فی الطلاق و النکاح.

نکاح وطلاق اور حدود وقصاص سے متعلق صحابہ وتابعین کے یہ فیصلے، رائیں اور فتوے صرف ایک کتاب "المحلی" سے نقل کئے گئے ہیں ۲۵۔ دوسری کتابوں میں تلاش وتتبع سے مزید اضافہ بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ نیل الاوطار میں ہے:

وقع الخلاف فی قبول شهادة النساء فی القصاص کا لمرأتین مع الرجل فحکی صاحب البحر عن الاوزاعی و الزهری ان القصاص کالاموال فیکفی فیه شهادة رجلین او رجل و امرأتین ۲۶۔

قصاص کے معاملہ میں عورتوں کی شہادت کے قابل قبول ہونے میں اختلاف ہے جیسے کہ ایک مرد کے ساتھ دو عورتیں گواہ ہوں۔ چنانچہ صاحب البحر نے نقل کیا ہے کہ امام اوزاعی اور زہری کا خیال ہے کہ قصاص اموال کی طرح ہے اس لئے اس میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی اور معتبر ہوگی۔

علامہ ابن حزم اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا یجوزان یقبل فی الزنا اقل من اربعة رجال عدول مسلمین اومکان کل رجل امرأتان مسلمتان عدلتان. ۲۷

(جائز نہیں ہے کہ زنا کے معاملہ میں چار مسلمان عادل مردوں سے کم کی شہادت قابل قبول ہو یا ہر ایک مرد کی جگہ دو مسلمان عادل عورتوں سے کم کی شہادت قابل قبول ہو۔)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

کل اتفقوا علی انه تثبت الاموال بشاھد عدل ذکر و امرأتین .... واختلفوا فی قبولھما فی الحدود ...... وقال اھل الظاھر تقبل اذا کان معھن رجل و کان النساء اکثر من واحدة فی کل شئی. ۲۸۔

(تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ مالی معاملات ایک عادل مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوسکتے ہیں۔ البتہ حدود کے معاملات میں ان عورتوں کی گواہی کی قبولیت کے باب میں اختلاف ہے) .... اہل ظاہر کہتے ہیں کہ ان کی شہادت ہر چیز میں قابل قبول ہے بشرطیکہ ان کے ساتھ ایک مرد ہو اور عورتیں ایک سے زائد ہوں۔

صحابہ و تابعین اور بعد کے فقہاء مسلمین کے یہ وہ اقوال اور فیصلے ہیں جن میں نکاح و طلاق اور حدود و قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی کو جائز اور قابل قبول ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کے برعکس صحابہ و تابعین کی بڑی تعداد ان مقدمات میں عورتوں کی گواہی کو غیر معتبر اور نا قابل قبول قرار دیتی ہے۔ جبکہ بعض دیگر صحابہ و تابعین سے جن میں خود امام زہری بھی شامل ہیں۔ عورتوں کی گواہی کے جواز اور عدم جواز دونوں طرح کے اقوال منقول ہیں۔ ایک ہی مسئلہ میں ان متنوع اور متضاد خیالات و آراء کا پایا جانا واضح دلیل ہے کہ کبھی یہ مسئلہ اتفاقی اور اجماعی نہیں رہا ہے اور نہ ان مقدمات میں عورتوں کی شہادت کے عدم جواز کو صدر اول کے مسلمانوں میں کبھی رائج معمول کا درجہ حاصل رہا ہے۔ اس لئے ابن شہاب کا یہ کہنا کہ ''دور رسالت اور اس کے بعد عہد شیخین سے یہ سنت جاری رہی ہے کہ عورتوں کی شہادت نکاح و طلاق اور حدود و قصاص میں جائز

اور قابل قبول نہ ہو"۔ سخت محل نظر ہے۔ صرف اس ایک روایت کی بنیاد پر مذکورہ معاملات میں عورتوں کی شہادت کے عدم جواز کو سنت نبوی پر مبنی قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔

ابن شہاب کے مذکورہ اثر پر ہماری اس گفتگو سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کی روایتی حیثیت بہت مخدوش ہے۔ درایت کے اعتبار سے بھی اس میں متعدد سقم پائے جاتے ہیں۔ اس لئے مسئلہ زیر بحث میں اس کو دلیل بنانا نہایت کمزور استدلال ہوگا اور اس کی بنیاد پر کسی بات کو سنت قرار دینا، اس کو رسول خدا کی طرف منسوب کرنا اور اس کی بنیاد پر قرآن مجید کے کسی عام حکم کو خاص کر دینا بڑی جرأت کی بات کہلائے گی۔

کیا عورت کی گواہی نصف ہے:

عورتوں کی گواہی کو آیت مداینہ کی بنیاد پر مرد کی گواہی کے نصف کہا جاتا ہے اور اس کی وجہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کا فہم خام اور حفظ و ضبط کمزور ہوتا ہے اس لئے ان کی گواہی میں یک گونہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

لان فی شهادة النساء ضربا من الشبهة فان الضلال و النسیان یغلب علیهن ویقل معهن معنی الضبط و الفهم بالا نوٹ۲۹۔

عورتوں کی شہادت غیر معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی گواہی میں ایک طرح کا شبہ ہوتا ہے اس لئے کہ ضلال ونسیان ان پر غالب رہتا ہے اور عورت ہونے کی وجہ سے فہم وضبط کی صلاحیت بھی ان میں کم ہوتی ہے۔

اس خیال کی بنیاد آیت مداینہ میں ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو گواہ بنانے اور اس کے بعد والے الفاظ ان تضل احداهما فتذ کر احدٰهما الاخری ہیں۔

پہلے آیت مداینہ ملاحظہ کیجئے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلاَ يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّهَ رَبَّهُ وَلاَ يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئاً فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهاً أَوْ ضَعِيفاً أَوْ لاَ يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُواْ شَهِيدَيْنِ من رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاء أَن تَضِلَّ إْحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الأُخْرَى. (البقرہ/۲۸۲)

اے ایمان والو! جب تم آپس میں کسی متعین وقت تک کے لئے ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو .... اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو۔ پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو۔ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو بطور گواہ تا کہ ان میں سے کوئی بھٹک جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔

اس آیت کے الفاظ و اسلوب پر غور کرنے سے کم از کم تین باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱- شہادت و گواہی کے سلسلہ میں مردوں کو عورتوں پر اولیت دی گئی ہے یعنی مرد اور عورت دونوں موجود ہوں تو گواہ مردوں کو بنایا جائے گا عورتوں کو نہیں۔ البتہ مردوں کی عدم موجودگی میں دوسرے نمبر پر ہی عورتوں کو گواہ بنایا جاسکتا ہے۔

۲- آیت میں مذکور لفظ "شھیـــــد" کا اطلاق جس طرح تنہا ایک مرد گواہ پر ہو رہا ہے۔ اسی طرح اس کا اطلاق تنہا ایک گواہ عورت پر نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ دو عورتوں کے مجموعہ پر اس کا اطلاق ہو رہا ہے یعنی ایک گواہ مرد تو لفظ شہید کا مصداق ہے لیکن تنہا ایک گواہ عورت اس کا مصداق نہیں ہے۔ بلکہ دو عورتیں مل کر لفظ شہید کا مصداق قرار پائیں گی۔

اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ جب ایک گواہ عورت نسیان وضلال میں مبتلا ہوئے بغیر بالکل ٹھیک اپنا شہادتی بیان دے دے تو بھی اس کے بیان پر اکتفا نہیں کیا جائے گا بلکہ دوسری گواہ عورت کا بیان بھی عدالت کو لینا ہوگا اور دونوں بیانوں کی بنیاد پر قاضی اور جج کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرے گا۔

۳- تیسری بات جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ معلوم ہوتی ہے کہ ممن ترضون من الشھداء ، میں لفظ شہداء کا مصداق صرف مرد گواہ نہیں ہیں بلکہ خواتین گواہ بھی اس کا مصداق ہیں یعنی اس میں دونوں شامل ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی لفظ "شھداء" بمعنی گواہ مذکور ہے ان سب کو محض لفظاً مذکر ہونے کی وجہ سے مردوں سے مخصوص نہیں مانا جاسکتا بلکہ عورتوں کو بھی اس میں شامل سمجھا جائے گا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گواہ خواہ مرد ہوں یا عورتیں دونوں میں شہادت کی اہلیت موجود ہے اور دونوں کی اہلیت شہادت میں کوئی بنیادی فرق بھی نہیں ہے۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مرد اور خواتین دونوں شہادت کے اہل ہیں اور ان کی اہلیت شہادت میں کچھ فرق بھی نہیں ہے تو شہادت کے معاملہ میں مردوں کو عورتوں پر اولیت کیوں دی گئی اور پھر دو عورتوں کی مشترکہ شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر کیوں رکھا گیا؟

مردوں کی عورتوں پر اولیت کی وجہ:

دنیا کے تمام معاشروں میں فرائض حیات اور واجبات زندگی کے حوالہ سے مردوں اور عورتوں کے درمیان فرق واختلاف پایا جاتا ہے۔ ایسے امور ومعاملات جن کی انجام دہی میں زیادہ قوت ومحنت درکار ہوتی ہے اور زحمت ومشقت اٹھانی پڑتی ہے، بالعموم وہ مردوں سے متعلق ہوتے ہیں۔ جبکہ عورتوں سے متعلق ذمہ داریاں بالعموم آسان اور سہل ہوتی ہیں۔ یہ فرق و امتیاز اس لئے روا رکھا گیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی جسمانی

ساخت، صلاحیت کار، قوت برداشت اور طبیعت و مزاج میں بہت زیادہ اور نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ اور یہ فرق و اختلاف ایک فطری حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ قرآن مجید دین فطرت ہے۔ اس لیے وہ بھی اپنے احکام و فرامین کے نفاذ کی ذمہ داری عائد کرتے ہوئے مرد و عورت دونوں اصناف کے صنفی فرق کو پوری طرح ملحوظ رکھتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے متعدد بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ عورت کے دائرہ کار کو خانگی اور گھریلو امور و معاملات تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ عورت کی توجہ کا اصل مرکز و محور اس کا گھر اور خاندان ہو۔ جبکہ مرد کا دائرہ کار جملہ اجتماعی و سماجی امور و معاملات تک وسیع ہو۔ لیکن دائرہ کار کی یہ حد بندی کچھ ایسی لازمی بھی نہیں ہے کہ بوقت ضرورت و حاجت مرد و خواتین ایک دوسرے کی حد میں جا کر کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتے۔ بلکہ اس میں مناسب لچک اور بوقت ضرورت ایک دوسرے کے تعاون کی گنجائش بھی موجود ہے۔

شہادت کے معاملہ میں بھی قرآن مجید اس فرق کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک نظری طور پر اہلیت شہادت تو دونوں کو یکساں حاصل ہے۔ اور دونوں یکساں طور پر تحمل شہادت کے ذمہ دار اور مکلّف بھی ہیں۔ مگر عملی طور پر وہ دونوں میں فرق کرتا ہے۔ جس کی وجہ مرد و عورت کا صنفی اختلاف اور دائرہ کار جدا جدا ہونا ہے۔

اس تفصیل کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جانی چاہئے کہ بازار اور منڈی کے معاملات اور کورٹ کچہری کے مقدمات عورتوں کے دائرہ کار میں نہیں آتے۔ خالص اسلامی معاشرہ میں ایک عورت کا سابقہ ان امور و معاملات سے کم ہی پڑ سکتا ہے۔ اس لئے ان کو نہ ان مسائل سے دلچسپی ہو سکتی ہے نہ ان کی نزاکتوں اور ان کے تمام پہلوؤں پر ہر وقت ان کی نظر رہ سکتی ہے۔ اسی لئے ان کو شہادت کے معاملہ میں نمبر دو پر رکھا گیا ہے۔ ان پر مردوں کو اولیت دینے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کی اہلیت شہادت میں کمی ہے یا ان کے اندر کسی قسم کا نقص اور عیب پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی شہادت مشکوک ہو سکتی ہے۔ بلکہ اس کی بڑی وجہ اس زحمت و مشقت اور پریشانی و دشواری سے ان کو محفوظ رکھنا ہے جو عدالت جانے آنے، شہادت کے عمل سے گزرنے، قاضی اور فریق مخالف کی جرح و

بحث کا سامنا کرنے میں ان کو پیش آئے گی، جسے وہ اپنے مخصوص ماحول اور مشاغل و حالات کی بنا پر کبھی خوش دلی کے ساتھ گوارا نہیں کرسکتیں۔ اس کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اگر ان کو بھی مردوں کی طرح عدالت و شہادت کے معاملات میں پوری طرح شامل کرلیا جائے جیسا کہ عہد حاضر میں ہو رہا ہے تو اس سے ان کے اپنے فرائض منصبی میں خلل واقع ہوگا۔ گھر اور خاندان جس کی وہ اصلاً پاسبان ہیں، کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ شہادت کے معاملہ میں عورتوں پر مردوں کو اولیت اور فوقیت دیئے جانے کا سبب عورتوں میں حفظ و ضبط کی کمی یا اور کوئی نقص نہیں ہے۔ بلکہ ان کی صنفی و ذاتی مصلحت اور گھر و خاندان کی ضرورت اس کا بنیادی سبب ہیں۔ اس کا ان کی اہلیت شہادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دو عورتوں کی مشترک گواہی کی حکمت:

یہ بات کہ جس طرح تنہا ایک مرد مستقل گواہ بن سکتا ہے اسی طرح تنہا ایک عورت مستقل گواہ نہیں بن سکتی بلکہ وہ دوسری عورت کے ساتھ مل کر ہی مستقل گواہ بن سکتی ہے۔ جسکا مطلب یہ ہوا کہ ایک عورت کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر نہیں بلکہ دو عورتوں کی مشترکہ شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے، تو بلاشبہ قرآن کا یہ بیان نہایت واضح اور بہت صاف ہے۔ اس لئے اس کی کوئی تاویل و توجیہہ کر کے عملاً ایک عورت کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر اور مساوی قرار دینا صحیح نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کی اہلیت شہادت مرد کی اہلیت شہادت سے کم یا نصف ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی معاملہ میں بھی تنہا ایک عورت کی شہادت قابل قبول نہ ہوتی۔ جبکہ بعض معاملات میں ایک عورت کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر تسلیم کی گئی ہے۔ آیت لعان میں جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے، میاں بیوی دونوں سے چار چار شہادتوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اگر عورت کی اہلیت شہادت مرد سے کم یا نصف ہوتی تو لعان کے معاملہ میں شوہر کی شہادت کے بالمقابل بیوی سے دگنی یعنی آٹھ شہادتوں کا مطالبہ ہوتا لیکن ایسا

نہیں ہے۔اسی طرح بعض حدیثوں میں بھی بعض معاملات میں صرف ایک ہی عورت کی شہادت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ ۳۰؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظری طور پر مرد وعورت کی اہلیت شہادت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر چہ بعض اسباب کی بنیاد پر عملی اعتبار سے فرق ہے اس لئے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو گواہ بنانے کے حکم خداوندی کو عورت کی ناقص اہلیت شہادت کی دلیل قرار دینا صحیح نہیں ہوسکتا۔

جہاں تک آیت کریمہ کے الفاظ ان تضل احداھما فتذکر احداھما الاخری کا معاملہ ہے، جس کی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ عورتوں پر ضلال ونسیان غالب رہتا ہے اور فہم وضبط کی صلاحیت بھی ان میں کم ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی گواہی میں ایک طرح کا شبہ ہوتا ہے۔ ۳۱؎ اسی لئے دو عورتوں کی مشترک گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دی گئی ہے۔ تو ہمارے خیال میں آیت کریمہ کے مذکورہ الفاظ سے یہ استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ اس فقرہ کے شروع میں مذکور لفظ ''اَن'' حرف شرط نہیں بلکہ ''اَن'' مصدریہ ہے۔ اس لئے سہو وضلال کو سابق حکم یعنی ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو گواہ بنانے کی علت نہیں کہا جاسکتا۔ اگر اس کو علت تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک دونوں گواہ عورتوں میں سے ہر ایک اپنی شہادتوں میں سہو وضلال سے دو چار نہ ہوں اور دوسری تذکیر کرکے اس کی اصلاح نہ کردے تب تک ان کی شہادت کا اعتبار نہ ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے دونوں گواہ عورتیں یا ان میں سے کوئی ایک بغیر بھولے بھٹکے صحیح صحیح اپنا شہادتی بیان درج کرادے اور دوسری کے لئے اصلاح وتذکیر کی نوبت نہ آئے۔ اور یہ گواہی معتبر اور قابل قبول بھی ہوگی۔ اس لئے سہو وضلال کو حکم مذکور کی علت قرار دینا صحیح نہیں ہوسکتا۔ علت کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے بغیر کبھی معلول کا وجود نہ پایا جائے۔ دوسرے یہ کہ سہو ونسیان عورتوں ہی کا خاصہ نہیں ہے۔ مرد بھی برابر بھولتے بھٹکتے ہیں۔ بحیثیت انسان اس مرض کے دونوں شکار ہیں۔ اس لئے اگر اس کو دو عورتوں کی مشترک شہادت کی علت قرار دیا جائے تو پھر تنہا ایک مرد کی بھی شہادت جائز نہیں ہونی چاہئے۔ بلکہ دو عورتوں کی طرح دو مردوں کی مشترک شہادت ایک تسلیم کی جانی چاہئے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

دراصل یہ فقرہ ایک طرح کی سہولت و آسانی کو ظاہر کرتا ہے جو گواہی کے معاملہ میں مرد کے بالمقابل عورتوں کو دی گئی ہے۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ دونوں گواہ عورتیں اپنے شہادتی بیان میں ایک دوسری کی مدد کریں۔ دونوں باہم مل کر ایک دوسرے کے تعاون سے اپنا شہادتی فریضہ انجام دیں۔ دونوں ایک دوسری کے بیان پر نظر رکھیں، سبقت لسانی، یا انداز بیان کی کسی کوتاہی یا اتفاقیہ سہو و نسیان کے سبب کسی کے بیان میں کوئی نقص، کمی یا ضلال پیدا ہو جائے تو دوسری اصلاح کر کے اس کے بیان کو درست کرا دے اور قاضی ان دونوں کے مشترک بیان کو تسلیم کرے۔ ایک کے بیان کی کمی کو دوسرے کے بیان کی زیادتی سے پوار کرے۔ عورتوں کو یہ سہولت ان کے خاص حالات اور ماحول کی بنا پر دی گئی ہے جبکہ مرد گواہوں کو یہ رعایت حاصل نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ مذکورہ فقرہ کا منشا بس یہ ہے کہ شہادت کی ادائیگی میں ایک عورت کو دوسری سے مدد ملے۔ اس کا بوجھ ہلکا ہو۔ اور مدد کی شکلوں میں ایک شکل یہ ہے کہ کسی وجہ سے حقیقت واقعہ کے اظہار و بیان میں کسی سے اتفاقیہ کوئی سہو یا خطا ہو جائے تو دوسری یاد دلا کر اس کی اصلاح کرا دے۔ چنانچہ قاضی بیضادی نے لکھا ہے کہ مذکورہ حکم کی علت ضلال نہیں بلکہ تذکیر ہے:

العلة فی الحقیقة التذکیر و لکن لما کان الضلال سبباله نزل منزلته . ۳۲ ·

(علت درحقیقت تذکیر ہے مگر ضلال چونکہ اس کا سبب بنتا ہے اس لئے اس کو تذکیر کے درجہ میں رکھ دیا گیا۔)

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''یہ فرق عورت کی تحقیر کے پہلو سے نہیں بلکہ اس کی مزاجی خصوصیات اور اس کے حالات و مشاغل کے لحاظ سے یہ ذمہ داری اس کے لئے بھاری ذمہ داری ہے اس وجہ سے شریعت نے اس کے اٹھانے میں اس کے سہارے کا بھی انتظام فرما دیا ہے'' ۳۳۔

حاصل یہ کہ آیت مداینہ کے الفاظ **ان تضل احداهما** .... میں کوئی ایسی

چیز نہیں ہے جو عورتوں کی اہلیت شہادت کی نفی کرتی ہو یا ان کی شہادت میں کسی طرح کا شبہ پیدا کرتی ہو۔ بلکہ اس سے اس حکمت و مصلحت کا اظہار ہوتا ہے جس کی بنا پر دو عورتوں کو ایک مستقل گواہ قرار دیا گیا ہے۔

خلاصۂ بحث:

گذشتہ بحث و تفصیل سے حسب ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱- قرآن مجید میں شہادت، شہید اور شہداء جیسے الفاظ کے مواقع استعمال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح شہادت کی مکمل طور پر اہل ہیں۔ مرد و خواتین دونوں کی اہلیت شہادت میں کوئی فرق و اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے اصولی طور پر ہر وہ معاملہ جس میں مرد کی شہادت جائز اور معتبر ہے اس میں عورت کی شہادت بھی جائز اور معتبر ہونی چاہئے۔ البتہ عملی طور پر قرآن کا نظریہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بھاری ذمہ داری کو مرد ہی اٹھائیں۔ عورتوں پر یہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ الا یہ کہ ضرورت شدیدہ اس کی متقاضی ہو اور ان کے حصہ لئے بغیر وہ ضرورت پوری نہ ہو سکتی ہے۔

۲- حدود و قصاص میں بھی عورتوں کی شہادت جائز اور معتبر ہونی چاہئے۔ ابن شہاب کا وہ اثر جو اس معاملہ میں واحد حدیثی بنیاد ہے، وہ اس قابل نہیں ہے کہ اتنے اہم معاملہ میں اس کو بنیاد بنایا جائے۔ احناف کے لئے اس سے استدلال اس لیے بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ نکاح و طلاق میں عورتوں کی گواہی کے جواز کے قائل ہیں، جبکہ ابن شہاب کے اثر میں حدود و قصاص کے ساتھ ساتھ نکاح و طلاق میں بھی عورتوں کی شہادت کو نا قابل قبول کہا گیا ہے۔

۳- ہر وہ معاملہ جس میں مردوں کی شہادت جائز ہے اگر اس میں عورتوں کو گواہ بنانے کی ضرورت پڑ جائے تو اولاً ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے گا اور دونوں کی مشترکہ گواہی ایک مستقل گواہی تسلیم ہوگی۔ لیکن اگر مرد سرے

سے موجود ہی نہ ہوں یا وقوعہ کے وقت صرف عورتیں ہی موجود تھیں تو چار عورتوں کی گواہی ضروری ہوگی۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ طلاق کے ایک معاملہ میں چار عورتوں کی گواہی پر تفریق کا فیصلہ صادر فرمایا۔ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل خطا کے ایک مقدمہ میں چار عورتوں کی شہادت پر ادائے دیت کا فیصلہ سنایا۔

۴۔ جن معاملات میں چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً زنا، تو وہاں بھی ایک مرد کی جگہ دو عورتیں گواہ بنیں گی۔ اس طرح تین مرد دو عورتیں، دو مرد چار عورتیں، ایک مرد چھ عورتیں یا صرف آٹھ عورتیں گواہ بنائی جائیں گی۔

۵۔ قرآن مجید کا دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے برابر قرار دینا عملی اعتبار سے ہے نہ کہ نظری اعتبار سے۔ نظری اعتبار سے قرآن مجید عورتوں اور مردوں کی شہادت یا اہلیت شہادت میں کوئی تفریق نہیں کرتا۔ بلکہ دونوں کے لئے اس کو مساوات اور برابری کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔ البتہ عملاً مساوات کا نہیں بلکہ تفریق کا قائل ہے۔ قرآن کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کی جو ذمہ داری ایک مرد پر پڑتی ہے وہ دو عورتوں میں بٹ کر نصف نصف ہو جائے۔ تا کہ ان کا بوجھ ہلکا رہے اور ایک کو دوسرے سے اس ذمہ داری کی ادائیگی میں مدد ملے۔ عورتوں کو یہ سہولت ان کے مخصوص حالات و مشاغل کی بنا پر دی گئی ہے نہ کہ ان کی اہلیت شہادت میں کسی کمی اور نقص کی وجہ سے۔

مذکورہ نقطۂ نظر کی حیثیت محض ایک حاصل مطالعہ اور طالب علمانہ رائے و خیال کی ہے نہ کہ کسی حتمی فیصلہ اور فتویٰ کی۔ فقہائے اسلام کی تغلیط و تردید ہرگز اس کا منشا نہیں ہے۔ اس سے ہر صاحب علم کو اختلاف و اتفاق کا حق ہے۔ راقم نے جو کچھ پڑھا اور سمجھا اسکا خلاصہ من و عن سپرد قلم کر دیا۔ اب خطا و صواب کا فیصلہ اہل علم کریں گے۔ ان اصبت فمن اللہ وان اخطأت فمنی و من الشیطان۔

حواشی ومراجع

۱- وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی و ادلتہ، دارالفکر، دمشق، الطبع الثالث، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء، ۷/ ۵۷۰

۲- اس محیرالعقول اختلاف وتضاد کے لئے دیکھئے ابومحمد بن حزم کی کتاب "المحلی" کتاب الشھادات، لجنۃ احیاء التراث العربی، دارالجیل، بیروت، بدون تاریخ، ۹/ ۳۹۳ ومابعد

۳- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶/ ۵۷۰۔

۴- ابوبکر الجصاص، احکام القرآن، زکریا بکڈپو، دیوبند، بدون تاریخ، ۱/ ۶۰۹

۵- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶/ ۵۷۰

۶- حوالہ سابق

۷- ابواسحاق شیرازی، المھذب فی الفقہ الشافعی، قاہرہ، ۲/ ۳۳

۸- الموسوعۃ الفقھیۃ، وزارت اوقاف کویت، طبع اول ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء، ۲۶/ ۲۲۹، الفقہ الاسلامی و ادلتہ، ۶/ ۵۷۲

۹- الموسوعۃ الفقھیہ، ۲۶/ ۲۲۸-۲۲۹

۱۰- محمد بن ادریس الشافعی، "الام"، بیت الافکارالاولیہ، ریاض بدون تاریخ، ص ۱۴۰۳

۱۱- الامام مالک، المدونۃ الکبریٰ، دارالکتب العربیۃ، بیروت، ۱۹۹۴ء، ۴/ ۶۵

۱۲- ابن رشد، بدایۃ المجتھد و نھایۃ المقتصد، دارالمعرفہ بیروت، طبع رابع، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء، ۲/ ۴۶۵

۱۳- احکام القرآن للجصاص، ۱/ ۶۰۹

۱۴- "الام"، باب ما یجب علی المرء من القیام بشھادتہ، ص ۱۴۰۷

۱۵- عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الحدود، باب شھادۃ النساء فی الحدود، مکتبہ امدادیہ ملتان، ۶/ ۵۴۴، السرخسی: المبسوط، مطبعۃ السعادۃ، مصر، بدون تاریخ، ۱۶/ ۱۱۳-۱۱۴

۱۶- ابن حزم اندلسی، المحلی، ۹/ ۳۹۷، المدونۃ الکبری، ۴/ ۲۵
۱۷- احکام القرآن للجصاص، ۱/ ۶۰۹؛ کاسانی، بدائع الصنائع، ۶/ ۲۷۹
۱۸- علامہ شوکانی، نیل الاوطار، کتاب الدماء، باب ثبوت، القتل بشاهدین،، ۶/ ۳۱۰
۱۹- الموسوعۃ الفقہیہ، ۲۶/ ۲۲۷
۲۰- المحلی، ۹/۴۰۳
۲۱- نیل الاوطار، کتاب الدماء باب ثبوت القتل بشاهدین، ۶/ ۳۱۰-۳۱۱
۲۲- حسن مظفر رزن الموصل: القول الفصل فی العمل بحدیث المرسل، باب مذاهب العلماء فی قبول الحدیث المرسل و العمل ورده، جامعہ اسلامیہ مدینہ، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء، ص ۳۸
۲۳- مذکورہ اقوال کے لیے دیکھیے: السیوطی، تدریب الراوی، تحقیق و تعلیق: دکتور احمد عمر ہاشم، قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، بدون تاریخ، ۱/ ۶۹
۲۴- مصنف عبد الرزاق، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال، تحقیق: مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، طبع اول، ۲، ۱۹۷۲ء، ۸/ ۳۳۱، (حدیث نمبر ۱۵۴۱۵)، نیل الاوطار، ۶/ ۳۱۰
۲۵- المحلی، ۹/ ۳۹۷-۳۹۸
۲۶- نیل الاوطار، ۶/ ۳۱۰، کتاب الدماء، باب ثبوت القتل بشاهدین
۲۷- المحلی، ۹/ ۳۹۵
۲۸- بدایة المجتهد و نهایته المقتصد، ۲/ ۴۶۵
۲۹- شمس الائمہ السرخسی، کتاب المبسوط، باب الشهادات، ۱۶/ ۱۱۴
۳۰- مصنف عبد الرزاق، کتاب الشهادات، باب هل تجوز شهادة النساء مع الرجال، المحلی، کتاب الشهادة
۳۱- السرخی، المسبوط، باب الشهادات، ۱۶/ ۱۱۴
۳۲- ناصر الدین البیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل (تفسیر بیضاوی)، دار الجیل، بیروت، بدون تاریخ، ص ۶۵ (متعلقہ آیت)
۳۳- امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، تاج کمپنی، دہلی، طبع اول، ۱۹۸۹ء، ۱/ ۶۴۱